ممتاز احمد سالک ☆

معیشت و اخلاق

اسلام کا ایک اہم اساسی تصور جو پورے نظام معیشت کے رگ و ریشے میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے وہ تصور اخلاق ہے۔ یہ محض ایک فلسفیانہ موضوع نہیں ہے بلکہ شجر تہذیب و ثقافت کا ایک ایسا تنا ہے جو عقائد و افکار کی جڑوں سے رس حاصل کر کے تمام شاخوں اور ان پر لگے ہوئے پھلوں' پھولوں اور پتوں تک پہنچاتا ہے اس کو اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو زندگی کا کوئی شعبہ سرسبز و شاداب نہیں رہ سکتا۔

دور جدید کے معاشی مفکرین نے معاشیات کو خالص مادی علم قرار دے کر اس کا اخلاقیات سے تعلق توڑ دیا ہے۔ وہ معاشی مسائل کو خالص مادی نقطہ نظر سے' دیکھنے' سمجھنے' جانچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں سلجھانے میں نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر ناکام ہو رہے ہیں۔ بلکہ ان کا تجویز کردہ ہر حل ان کی پیچیدگی' وسعت اور شدت میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔ بقول شاعر

زخم کچھ اور کر گئی گہرا
اے مسیحا تیری مسیحائی

اہل مغرب نے قدیم نظام جاگیرداری کے ظلم و استحصال کے پھوڑے کو نظام سرمایہ داری کے نشتر سے درست کرنے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اور زیادہ پھیل گیا۔ پھر اشتراکیت اور فسطائیت کے آپریشنوں سے نکالنے کی کوشش کی گئی تو جسد معیشت کے ایسے حصوں تک بھی اس کے زہریلے اثرات اور مہلک جراثیم پھیل گئے جو ہمیشہ سے محفوظ و مامون چلے آئے تھے۔ اب ایک طرف آخری ہچکیاں لیتا ہوا عالمی اقتصادی نظام ہے اور دوسری طرف جدید نظام سرمایہ داری کا خونی خنجر' جسے تھامنے والے ہاتھ ڈاکٹروں کے نہیں بلکہ ڈاکوؤں کے ہیں۔ یہ ڈاکو اختیارات' ذرائع ابلاغ اور تباہ کن اسلحے کے ذخیروں پر قابض ہیں اور انسانوں کے تمام معاشی مسائل کو حل کر دینے کا شور مچا رہے ہیں۔ آج پوری دنیا نیو ورلڈ آرڈر کا تماشا دیکھ رہی ہے۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

اب سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا حرص و مادہ پرستی کے فلسفے' عالم انسانیت کو جانفزا معاشی اقدار اور معتدل و منصفانہ معاشی نظام فراہم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں' کیونکہ زندگی کی سب سے بڑی بے اعتدالی اس کا مادی تصور ہے۔ حکیم الامت علامہ اقبال نے بالکل بجا فرمایا ہے۔

تری کتابوں میں اے حکیم معاش رکھا ہی کیا ہے آخر
خطوط خمدار کی نمائش' مریز و کجدار کی نمائش
جہان مغرب کے بتکدوں میں' کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش(۱)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر' ادارہ علوم اسلامیہ' جامعہ پنجاب' لاہور

عالم انسانیت کو ایک ایسے عالمی اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جو ایک طرف دور جدید کی مادی ترقیوں کی حفاظت کر کے انہیں بامقصد بنائے اور اپنے جاندار تصورات سے تسخیر کائنات کے اس عمل کو مزید حرکت دے کر آگے بڑھائے اور دوسری طرف پامال شدہ اعلیٰ روحانی و اخلاقی اقدار کو پھر سے زندہ کر کے معیشت کے تمام شعبوں میں رواں دواں کر دے تاکہ کرۂ ارض سے لوٹ کھسوٹ، ظلم و استحصال، مکر و فریب، دھوکہ و غبن، حرام خوری، نفع اندوزی، بدامنی اور قتل و غارت کا قلع قمع ہو سکے اور بلا تفریق تمام اقوام اور تمام افراد امن و سلامتی کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

اسلام ایک ایسا ہی اقتصادی نظام پیش کرتا ہے یہ کوئی تصوراتی اور ناقابل عمل نظریہ نہیں ہے بلکہ ایک عملی اور آزمودہ نظام ہے جس نے تاریخ کے اسٹیج پر اپنی اعلیٰ کارکردگی کا عملاً مظاہرہ کر کے دکھایا ہے۔ اس نے انسانیت کے ان تمام معاشی مسائل کو بہت قلیل مدت میں حل کر کے اپنی استعداد و اہلیت کو ثابت کیا ہے جن کے سامنے تمام قدیم و جدید وضعی نظام بے بس نظر آتے ہیں۔

اسلام نے معیشت و اخلاق کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ اگر اخلاق کو معیشت سے الگ کر دیا جائے تو یہ ایک بے جان اور بے مصرف فلسفہ بن کے رہ جائے اور اگر معیشت کو اخلاق سے الگ کر دیا جائے تو وہ ایک ظلم و استبداد کا آلہ بن جائے۔ ہمارے روز مرہ کے بے شمار معاشی تعلقات اخلاقی مروتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ باہمی اعتماد، ہمدردی، تعاون، احسان، خیر خواہی اور ایثار کے اخلاقی رویے اگر کاروباری معاملات سے الگ کر دیئے جائیں تو ہماری معاشی سرگرمیاں ٹھپ ہو کر رہ جائیں۔

انسانی معاشروں کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و بدحالی میں جہاں طبعی قوانین اور بے شمار اندرونی و بیرونی معاشی، سیاسی اور معاشرتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہاں اخلاقی عوامل کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اخلاقی عوامل بظاہر نظر نہیں آتے اور ان کے نفوذ و اثرات کو ہم مادی پیمانوں سے ماپ بھی نہیں سکتے مگر یہ روز مرہ کے معاشی اتار چڑھاؤ کا باعث بھی بنتے ہیں اور پورے معاشی نظام کو اٹھانے اور گرانے کا سبب بھی۔

مثلاً ایمان ماوراء الطبعی حقائق کو صدق دل سے تسلیم کرنے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام ہے لیکن اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ان تمام قواعد و ضوابط اور اصولوں کو برحق، اور کامیابی و خوشحالی کا واحد ذریعہ مانا جائے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور عملی زندگی میں صرف انہی کو نافذ کیا جائے اور ان سے رہنمائی لی جائے اور تمام خواہشات نفسانی اور مادی مفادات کو ان کے تابع کر دیا جائے۔ حدیث نبویؐ ہے۔

لا یومن احدکم حتی یکون هواه طبعا" لما جئت به (۲)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات نفس اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں۔"

ایمان ہی کے تقاضوں میں سے ایک اخلاقی قدر تقویٰ ہے۔ اسلام کی تمام عبادات کا مقصود انسانوں میں تقویٰ کی صفت پیدا کرنا ہے۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے ہر کام کا محرک صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اس کا خوف اور اس کی محبت ہو۔

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ کسی قوم، ملک، علاقے اور بستی کے لوگوں میں ایمان اور تقویٰ کے اوصاف جمع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وسائل معیشت کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسے اپنی بے شمار برکتوں سے نوازتا ہے۔

ولو ان اهل القری امنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکت من السماء والارض ولکن کذبوا فاخذنهم بما کانوا

یکسبون (۳)
اگر بستی کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان کے لئے آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تو تکذیب کی پھر ہم نے بھی انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں پکڑ لیا۔
اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنا یا تکذیب کرنا محض نظری مسئلہ نہیں بلکہ ایک عملی مسئلہ ہے۔ اس سے کسی معاشرے کی معاشی اور اجتماعی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کہ جس کے ہاتھ میں دنیا کے تمام معاملوں کی اصل باگ ڈور ہے' وہ اس کی بنیاد پر کسی معاشرے کو نوازنے یا اسے تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔
تقویٰ کا وصف کلی معاشیات کے ساتھ ساتھ جزوی معاشیات اور انفرادی معاملات میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق رسانی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ○ ویرزقہ من حیث لا یحتسب (۴)
جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اس کو ایسے ذرائع سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔
اسی طرح ایک اور اخلاقی قدر اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ اس پر اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔ بظاہر اس کا معیشت سے کوئی تعلق دکھائی نہیں دیتا بلکہ اس کے صحیح مفہوم کو نہ جاننے سے یہ بھی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ یہ شاید معاشی سرگرمیوں کے بالکل برعکس کوئی تصور ہے جو محض ہاتھ پر ہاتھ دھرے امید و آس کے سہارے بیٹھے رہنے کا نام ہے۔ اسلام میں اس کا صحیح تصور یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کام میں اپنے تمام ممکنہ وسائل' صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنے کے بعد اپنی ذات' اپنے کام یا کسی اور شخص کی بجائے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے کہ وہی نفع' برکت اور کامیابی دے گا کیونکہ ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہی رازق و کارساز ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ طبعی قوانین' معاشی عوامل اور تقدیر سب اسی کے حکم کے آگے سرنگوں ہیں۔
جب اس طرح کا توکل اختیار کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ انسان کی تمام بگڑیاں خود بنا دیتا ہے۔ اسے کسی اور جھوٹے اور کمزور سہارے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ارشاد ربانی ہے۔

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ ○ قد جعل اللہ لکل شئی قدرا (۵)
جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے وہی اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے اس نے ہر چیز کے لئے تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔
سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لو انکم توکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقتم کما ترزق الطیر تغدوا خماصا" وتروح بطانا" (۶)
اگر تم اللہ تعالیٰ پر اسی طرح بھروسہ کرو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے جو صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس لوٹتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے کہ پس پرندوں کا صبح شام آنا جانا اور رزق تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا ہے کیونکہ اسباب پیدا کرنے والا اور انہیں آسان بنانے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ (۷)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متوکل اور کون ہو سکتا ہے؟ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی ہر کام کے لئے ضروری مادی وسائل و ذرائع استعمال فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی و کامرانی سے نوازا۔

ایک اور اخلاقی قدر شکر ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار معاشی اسباب و وسائل' ظاہری و باطنی نعمتیں' منافع و مشارب' کائنات کی مختلف اشیاء کی تسخیر کا انتظام اور انہیں استعمال کرنے کا ملکہ و صلاحیتیں اس لئے عطا کی ہیں تاکہ وہ شکر ادا کرے۔ یہ عبادت و بندگی کا لازمی تقاضا بھی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

یا ایہا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم واشکروا اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون (۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو' تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بلا تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

محض زبان سے شکر کا لفظ ادا کرنے سے اس کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ انسان اپنی فکر و سوچ' اپنی نشست و برخواست' اپنے طرز عمل اور روز مرہ کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کر کے اور حاصل شدہ نعمتوں کو ان کے اصل مقاصد اور بتائے ہوئے طریق کار کے مطابق استعمال کر کے شکر گزاری کا ثبوت فراہم کر سکتا ہے۔

جب انسان شکر کو اس کے حقیقی اور وسیع تر مفہوم میں ادا کرتا ہے تو اس کی یہ اخلاقی صفت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کو جوش میں لاتی ہے اور وہ اسے مزید اسباب و نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر کفر کا رویہ اختیار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ سب کچھ ملیامیٹ کر کے ہر طرح کے ذہنی و جسمانی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس کا وہ خوشحالی کے دنوں میں اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہ اب اللہ ہی کی حکمت ہے کہ وہ کب تک کسی کو مہلت دیتا ہے اور کسی کی رسی کو دراز کرتا ہے۔

واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لا زیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (۹)

اور یاد رکھو! تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔

اسی طرح صبر کا معاملہ ہے' صبر بھی ایک اعلیٰ اخلاقی قدر ہے' معاشی معاملات میں صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان حلال ذرائع سے کمانے کے لئے جو بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اس حاصل ہونے والی آمدنی پر قناعت کرے اور اسی کے اندر اپنی گزر اوقات کا انتظام کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی جائز خواہشات و ضروریات کو پورا کرنے یا شدید مجبوری کے عالم میں بھی ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے اجتناب کرے' تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ترقی کے لئے صبر و تحمل سے آگے بڑھے اور راتوں رات امیر بننے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ بالآخر ختم ہو جانے والا ہے لیکن اللہ کا دیا ہوا اجر زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ انسان کا صبر اور اس کی بدولت کئے گئے نیک اعمال اس کے لئے دنیا میں بھی مفید ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ دونوں جگہ اجر دیتا ہے۔

ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق ولنجزین الذین صبروا اجرہم باحسن ما کانوا یعملون ○ من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ولنجزینہم اجرہم باحسن ما کانوا یعملون (۱۰)

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور صبر کرنے والوں کو ان کے اجر' ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔ جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ مومن ہو' ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر' ان کے بہترین اعمال کے بدلے میں بخشیں گے۔

صبر کی ایک چوتھی صورت یہ بھی ہے کہ انسان کو جو مادی مشکلات و آزمائشیں آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا اور ان کے مال' اولاد' اور اہل خانہ چھن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے جسم میں بھی کیڑے پڑ گئے۔ تقریباً اٹھارہ سال تک انہوں نے مصیبتیں جھیلیں' انہوں نے صبر کیا اور آزمائش پر پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کی تمام چیزیں انہیں دگنی کر کے لوٹا دیں اور ان کی تعریف ان الفاظ میں کی۔

انا وجدنه صابرا نعم العبد انه اواب (۱۱)

"بے شک ہم نے اسے صابر' بہترین بندہ اور رجوع کرنے والا پایا۔"

ایک اور اخلاقی قدر "ذکر" ہے۔ یہ لفظ دل یا زبان پر کسی چیز کے حاضر ہونے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اسی بناء پر بعض نے کہا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکر قلبی اور دوسرا ذکر لسانی۔(۱۲)

اسلام نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے کیونکہ یہ اللہ کے حاضر و ناظر ہونے' اس کے مالک' رازق' قادر اور منعم و زبردست ہونے کے شعور کو تر و تازہ رکھتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' اور چلتے پھرتے مختلف دعاؤں اور کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تذکرہ مومن کو اچھے کاموں کی رغبت دلاتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ ہر وقت یاد رہے تو وہ ہر کام اور معاملے میں اس کی رضامندی اور احکام و ہدایات کا ضرور لحاظ رکھے گا۔ وہ اختیارات اور مواقع حاصل ہونے کے باوجود حرام ذرائع سے مال حاصل نہیں کرے گا خواہ کتنا ہی مجبور یا ضرورت مند ہو۔ رات کی تاریکیوں اور تنہائی کے لمحوں میں بھی وہ سوچے گا کہ لوگوں کی نگاہوں سے تو میں بچ سکتا ہوں لیکن اس علیم و خبیر ذات کی نگاہوں سے نہیں' جو دلوں کے اندر مچلنے والی خواہشوں اور وسوسوں تک کو جانتا ہے۔ یہ چیز معاشی سرگرمیوں کو انفرادی اور اجتماعی' دونوں دائروں میں فلاح و بہبود کی شاہراؤں پر گامزن کر دیتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون (۱۳)

"پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔"

ایک اور آیت میں نیکوکار لوگوں کی خوبی ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ کاروبار زندگی میں اس قدر منہمک نہیں ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جائیں بلکہ وہ روحانی و اخلاقی اقدار کو معاملات کے ساتھ ساتھ چلاتے ہیں۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (۱۶)

"یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر دیتی۔"

معاشی فلاح و بہبود محض وسائل و دولت کی ریل پیل کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اصل پیمانہ اطمینان قلب ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کی نصیحت و فرامین کو نظرانداز کرنے والے لوگ بے شمار ملیں اور فیکٹریاں رکھنے' اعلیٰ ترین مناصب و عہدوں پر فائز ہونے' کروڑوں روپوں کے بینک بیلنس اور ہر طرح کے سامان آرام و آسائش کے حامل ہونے کے باوجود دل و ذہن کے سکون و اطمینان سے محروم ہوتے ہیں' کبھی ضمیر کے کچوکے' کبھی عوام و قانون کا خوف' کبھی نقصان کا خطرہ' کبھی حرص و لالچ میں گرفتار' کبھی چوروں اور ڈاکوؤں کا خوف' کبھی اپنے ہی دوستوں اور عزیزوں پر شک' کبھی کاروباری جھگڑے' کبھی ماتحتوں کا احتجاج' کبھی ناگہانی آفتوں کا ورود' یہ سارے مسائل ان کی مادی زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ وہ

مصیبت و تنگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں' اللہ سے تعلق ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کی رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں' ان کی روح زخمی' ذہن پریشان اور دل مضطرب رہتے ہیں۔ یہ نتیجہ لازمی طور پر نکل کے رہتا ہے۔ کیونکہ رب کائنات نے انسانوں کو زمین پر بھیجتے وقت ہی یہ تنبیہہ کردی تھی کہ

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشته ضنکا ونحشره یوم القیمته اعمی (۱۵)

"اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔"

اس کے برعکس اللہ کے ذکر سے اپنے آپ کو سرشار رکھنے والے لوگ جائز ذرائع سے کماتے ہیں' ظلم و استحصال سے پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ ان کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ کا مضبوط سہارا انہیں میسر ہوتا ہے۔ اس کی رحمت کی امید اور اس کی یاد ان کے دلوں کے اطمینان کے لئے کافی ہوتی ہے۔

الذین امنوا و تطمئن قلوبهم بذکر الله الا بذکر الله تطمئن القلوب (۱۶)

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے' خبردار رہو اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

اسلام کا یہ تصور نہایت منفرد اور نتائج کے اعتبار سے انتہائی اعلیٰ وارفع ہے کہ ایمان' تقویٰ' توکل' شکر' صبر اور ذکر جیسے فضائل اخلاق معاشی نظام اور جدوجہد پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔ اگرچہ یہ بندوں کے اپنے رب سے خصوصی تعلق پر مبنی ہیں ان کا حسن و خوبی یہی ہے کہ ان میں ایسا اخلاص پایا جائے جو مادی منفعت سے ماورا ہو اور ان کا صحیح صحیح اجر بھی آخرت میں انسان کو ملے گا۔ لیکن مذکورہ آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا میں بھی ناکام و نامراد نہیں چھوڑتا۔ انہیں مختلف قسم کی رحمتوں' نعمتوں' برکتوں اور راحتوں سے نوازتا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ انہیں رزق حلال' اطمینان قلب اور حقیقی عزت و شرف کی دولت سے بھی مالا مال کر دیتا ہے۔ پھر اللہ اور بندوں کے اس تعلق کا اظہار کیونکہ معاشرے میں ہوتا ہے اس لئے ایسا معاشرہ جس کے افراد ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں۔ وہ منظم و مستحکم ہوتا ہے وہاں خود غرضی' لالچ' نفسا نفسی' مادہ پرستی' ظلم و استحصال جیسی مہلک سماجی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے امن و سلامتی کا سائباں میسر آجاتا ہے جس کے سائے میں وہ ترقی و خوشی کی شاہراؤں پر گامزن ہو جاتا ہے۔

اللہ سے تعلق کی یہ مضبوطی اس کے بندوں کے باہمی تعلقات کی اصلاح و بہتری کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

اسلام نے انسانوں کے معاشی معاملات کو عدل و انصاف سے ہمکنار کرنے کے لئے کچھ اور اخلاقی قدریں بھی دی ہیں۔ ان میں ایک دیانت و صداقت ہے جو کاروباری معاملات میں اعتماد' اخوت اور محبت کو پروان چڑھاتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔

البیعان بالخیار مالم یفترقا فان صدقا وبینا بورک لهما فی بیعهما وان کذبا و کتما محق برکته بیعهما (۱۷)

"بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں' اگر وہ سچ بولیں گے اور عیب بیان کردیں گے تو بیع میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں گے اور عیب چھپائیں گے تو برکت جاتی رہے گی۔

اسی طرح قسم کھانے کے بارے میں فرمایا:

الحلف منفقته للسلعته ممحقته للبرکته (۱۸)

قسم سے مال تو بک جاتا ہے لیکن کمائی مٹ جاتی ہے۔

ایک اور اخلاقی قدر ناپ تول کے پیمانے درست رکھنا ہے۔ اصحاب مدین کی معاشی زندگی میں ڈنڈی مارنے کی بیماری سرایت کر گئی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں ہدایت کی۔

ویقوم اوفوا المکیال والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاء هم ولا تعثوا فی الارض مفسدین (۱۹)

اے برادران قوم ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔

انہوں نے پیغمبر کی بات پر دھیان نہ دیا تو آخر کار ایک دھماکے کے ذریعے تباہ و برباد ہو گئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحاب الکیل والمیزان' انکم قد ولیتم امرین هلکت فیه الامم السالفته قبلکم (۲۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول میں کمی کرنے والوں سے فرمایا "تم دو ایسے کام کرنے والے ہو جن کی وجہ سے تم سے پہلے کی امتیں ہلاک ہو گئیں۔

ایک اور اخلاقی قدر صلہ رحمی ہے۔ انسان کی پرورش و تربیت میں جہاں اہل خاندان کا حصہ ہوتا ہے وہاں اس کی ترقی میں بھی ان کی دعائیں' اخلاقی تعاون اور پشت پناہی شامل ہوتی ہے اور پھر مشکل اوقات میں بھی عزیز و اقارب سہارا بنتے ہیں اس لئے اسلام نے صلہ رحمی پر زور دیا ہے۔ اور اسے معاشی خوشحالی کا ایک زینہ قرار دیا ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے۔

من سرہ ان یبسط له رزقه او ینسأله فی اثرہ فلیصل رحمه (۲۱)

جو شخص اپنی روزی میں کشادگی اور زندگی کی مہلت چاہتا ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

اسلام نے معاشرے کی خوشحالی' استحکام اور گردش دولت کے لئے انفاق فی سبیل اللہ کا بھی حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی و بھلائی کے کاموں اور اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر' اس کی ہدایات کے مطابق مال خرچ کیا جائے اس میں نہ تو ریا کاری پائی جائے اور نہ ہی کوئی مالی مفاد' غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد' اور مالی تعاون بھی اسی کی ایک صورت ہے۔ اس کے برعکس بخل ہے جو بے شمار معاشی مفاسد کا ذریعہ بنتا ہے۔ دونوں متضاد قدریں انسان کی معیشت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

ما من یوم یصبح العباد فیه ملکان ینزلان فیقول احدهما اللهم اعط منفقا خلفا ویقول الاخر اللهم اعط ممسکا تلفا (۲۲)

"کوئی ایسا دن نہیں جاتا جب بندے صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک فرشتہ کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدلا دیجئے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! ممسک و بخیل کو نقصان سے دوچار کیجئے۔"

ایسا ہی معاملہ زکوۃ و صدقات اور سود کا بھی ہے۔ دونوں کے مزاج و مقاصد میں بھی فرق ہے اور نتائج و اثرات میں بھی۔ زکوۃ سے مال و نفس کا تزکیہ ہوتا ہے' حرص و ہوس' خود غرضی و لالچ' مفاد پرستی و نفع اندوزی کا خاتمہ ہوتا ہے جبکہ سود کی اساس ہی یہی اخلاقی خرابیاں ہوتی ہیں۔ زکوۃ سے دولت تمام افراد میں پھیل جاتی ہے۔ روزگار کے مواقع پیدا ہوتے ہیں کاروبار' تجارتیں اور صنعتیں خوب پھلتی پھولتی ہیں' ہمدردی و تعاون کے جذبات پروان چڑھتے ہیں جبکہ سود سے دولت چند

ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ مختلف معاشی شعبے جمود و کساد بازاری سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ نفسا نفسی اور طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ دولت کی گردش و افزائش رک جاتی ہے اور معاشی زندگی تباہی کے کنارے تک پہنچ جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون (۲۳)

"اور یہ جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو تو اللہ کے نزدیک وہ ہرگز نہیں بڑھتا' اور جو زکوۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو تو اسی کے دینے والے ہی درحقیقت اپنا مال بڑھاتے ہیں۔"

اس تصور کی وضاحت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ زکوۃ و صدقات کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے۔

ما نقصت صدقتہ من مال (۲۴)

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس سود کے بارے میں فرمایا۔

ان الرباء وان کثیر فان عاقبتہ تصیر الی قل (۲۵)

سود کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ انجام کار قلت کی طرف پلٹتا ہے۔

اخلاق کے بارے میں اسلام کا یہ تصور انسان کے روحانی و مادی تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور اس کے معاشی رویوں کو معتدل و متوازن بناتا ہے۔ اس تصور سے ایک طرف تو معاشرے کی وہ تمام چھوٹی بڑی برائیاں اور آلودگیاں دور ہوتی ہیں جو نظام معیشت کو گھن کی طرح اندر سے کھا کھا کر کھوکھلا کرتی رہی ہیں اور دوسری طرف ان جانفزا اقدار و اچھائیوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے جن سے معاشی تعلقات بامقصد و مضبوط اور پورا نظام مستحکم ہوتا ہے۔ جن فضائل اخلاق کا انسان کی ذاتی زندگی سے تعلق ہے' وہ اس کے قلب و ذہن کی کائنات بدل دیتے ہیں جس کے نتیجے میں اس سے صادر ہونے والا ہر فعل و عمل انتہائی مخلصانہ اور ذمہ دارانہ ہوتا۔ جو اس کی ذات کے لئے بھی اور پورے معاشرے کے لئے بھی فلاح و بہبود کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان سے فرد اور اجتماع کے تعلقات و مقاصد میں ایک خوشگوار ربط و تعاون کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اس طرح انفرادی اصلاح اجتماعی بھلائیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح جن فضائل اخلاق کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے وہ پورے نظام معیشت کو درست خطوط پر گامزن کر کے معاشی سرگرمیوں کے لئے ایک سازگار' پر اعتماد اور مثالی ماحول پیدا کر دیتے ہیں۔ اس اجتماعی اصلاح کا عمل فرد کی تعمیر و ترقی کا زینہ ثابت ہوتا ہے یوں انفرادیت اور اجتماعت کی منزل ایک ہو جاتی ہے۔ ان کے معاشی تقاضے مختلف ہونے کے باوجود' متضاد اور باہم متصادم نہیں ہوتے بلکہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں۔ دونوں اپنے حدود کے اندر ایک دوسرے کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں۔ اور آپس میں لازم و ملزوم ٹھہرتے ہیں۔ اس سے بہت سی ایسی خرابیاں سرے سے پیدا نہیں ہوتیں جو فرد اور اجتماع کے غیر متوازن تعلق کا نتیجہ ہوتی ہیں' اور اگر کوئی خرابی پیدا بھی ہو جائے تو اسے درست کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، ضرب کلیم: ۱۳۷

۲۔ مشکوۃ المصابیح: ۱/ ۵۹ کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

۳۔ سورۃ الاعراف: ۷/ ۹۶

۴۔ سورۃ الطلاق: ۶۵/ ۳، ۲

۵۔ سورۃ الطلاق: ۶۵/ ۳

۶۔ ترمذی: ۴/ ۴ کتاب الزہد۔۔۔ ابن ماجہ: ۲/ ۱۳۹۴ کتاب الزہد

۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۴/ ۳۹۸

۸۔ سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۷۲

۹۔ سورۃ ابراھیم: ۱۴/ ۷

۱۰۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۹۶

۱۱۔ سورۃ ص: ۳۸/ ۴۴

۱۲۔ راغب اصفہانی، المفردات: ۱۷۹

۱۳۔ سورۃ الجمعہ: ۶۲/ ۱۰

۱۴۔ سورۃ النور: ۲۴/ ۳۷

۱۵۔ سورۃ طٰہٰ: ۲۰/ ۱۳۲

۱۶۔ سورۃ الرعد: ۱۳/ ۲۸

۱۷۔ بخاری: ۳/ ۱۳ کتاب البیوع، نسائی: ۷/ ۲۴۴ کتاب البیوع

۱۸۔ بخاری: ۳/ ۱۳۶ کتاب البیوع، نسائی: ۷/ ۲۴۶ کتاب البیوع

۱۹۔ سورۃ ھود: ۱۱/ ۹۴

۲۰۔ ترمذی: ۲/ ۳۴۵ کتاب البیوع

۲۱۔ بخاری: ۳/ ۱۹ کتاب البیوع

۲۲۔ بخاری: ۲/ ۲۳۲ کتاب الزکوۃ، البیہقی: ۴/ ۱۸۷ کتاب الزکوۃ

۲۳۔ سورۃ الروم: ۳۰/ ۳۹

۲۴۔ البیہقی: ۴/ ۱۸۷ کتاب الزکوۃ، کنز العمال: ۶/ ۲۹۴

۲۵۔ مشکوۃ المصابیح: ۱/ ۹۰ کتاب البیوع

ماخذ و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ ابن کثیر، علامہ عماد الدین — تفسیر القرآن العظیم — سہیل اکیڈیمی لاہور پاکستان ۱۹۷۳ء

۳۔ ابن ماجہ، امام ابو عبداللہ محمد — سنن ابن ماجہ — عیسیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۲ء

۴۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد — ضرب کلیم — شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز ۱۹۷۹ء

۵۔ بخاری، امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل — صحیح البخاری — ادارۃ الطباعۃ المنیریہ دمشق

۶۔ البیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین — السنن الکبریٰ — نشر السنۃ ملتان

۷۔ ترمذی، امام ابو موسیٰ ابو عیسیٰ — سنن الترمذی — دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء

۸۔ الخطیب العمری، امام ولی الدین محمد — مشکوۃ المصابیح — المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر ۱۹۱ء

۹۔ راغب اصفہانی، امام ابو القاسم الحسین — کتاب المفردات فی غریب القرآن — مطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۲۱ھ

۱۰۔ المتقی، علامہ علاء الدین علی — کنز العمال — موسسۃ الرسالۃ ۱۹۷۹ء

۱۱۔ نسائی، امام ابو عبدالرحمن — سنن نسائی (بشرح سیوطی) — احیاء التراث العربی بیروت

فرمانِ رسول ﷺ

حضرت ابوذرؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

- ○ .... میں تجھے اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ یہی تمام چیزوں کی جڑ ہے۔
- ○ .... قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا اور زمین میں نور کا سبب بنے گا۔
- ○ .... اکثر اوقات چپ رہا کر کہ بھلائی بغیر کوئی کلام نہ ہو۔ یہ بات شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے کاموں میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔
- ○ .... جہاد کرتے رہنا کہ میری امت کی فقیری یہی ہے۔
- ○ .... مسکینوں سے محبت رکھنا اور ان کے پاس بیٹھے رہنا۔
- ○ .... اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نگاہ رکھنا اور اپنے سے اونچے لوگوں پر نگاہ نہ رکھنا کہ اسکے خلاف کرنے سے اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری ہوتی ہے جو اللہ نے تجھے عطا فرمائی ہیں۔
- ○ .... قرابت والوں سے تعلقات جوڑنے کی فکر رکھنا اگرچہ وہ تجھ سے تعلق توڑ دیں۔
- ○ .... حق بات کہنے میں تردد نہ کرنا
- ○ .... ایسا نہ ہو کہ تجھے خود بینی دوسرے کے عیبوں پر نظر نہ کرنے دے اور جس عیب میں خود مبتلا ہو اس کے بارے میں دوسروں پر غصہ نہ کرنا۔
- ○ .... اے ابوذر، حسن تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقلمندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنا بہترین پرہیزگاری ہے اور خوش خلقی کے برابر کوئی شرافت نہیں۔

طبرانی